پروفیسر محمد عباس نجمی

ہمارے شاہ جی

وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، یہ حسن اتفاق ہے۔ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ سنت خیر الانام کی پیروی اور اطاعت خداوندی میں گذارا، اسے ہم توفیق الٰہی کہتے ہیں۔ اس دنیا میں دانستہ کسی کو دکھ نہیں دیا اور مقدور بھر حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، یہ انکے اعلیٰ انسان ہونے کی گواہی ہے۔ مہد سے لحد تک تبلیغ اسلام کو اپنا شعار بنائے رکھا، یہ انکے مومنِ کامل اور عالم باعمل ہونے کی دلیل ہے۔ زہر ہلال کو قند نہ کہنے کی پاداش میں....... کیا اپنے کیا بیگانے سبھی ناخوش رہے، یہ انکے مردِ جری و حق پرست ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قدم قدم پر خوف کے عفریت سے سامنا ہوا لیکن اس مردِ قلندر کی زبان ہمیشہ اس کے دل کی رفیق اور دل سچ کا ترجمان رہا۔

اس دنیا میں باتیں کرنے والے، باتیں بنانے والے اور باتیں بنانے والے تو کروڑوں ہیں لیکن بات نبھانے والے کم کم دکھائی دیتے ہیں۔ قول و عمل کے دھنی ان بندگان الٰہی پر اپنے رب کی خاص عنایت اور مہربانی ہوتی ہے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند اکبر سید عطاء المنعم ابو معاویہ ابوذر بخاری کا شمار بھی ایسے ہی اعلیٰ مرتبت نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے۔

اس وقت مجھے صحیح طور پر تو یاد نہیں کہ ممدوح گرامی سے میری پہلی ملاقات کب، کہاں اور کیسے ہوئی تھی، ہاں البتہ یہ اچھی طرح یاد ہے کہ سید صاحب سے میرا تعارف پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کے وسیلے سے ہوا اور یہی تعارف آہستہ آہستہ عمر بھر کی نیازمندی میں تبدیل ہو گیا۔ اپنی گزری ہوئی تیس پینتیس سالہ شعوری زندگی میں مجھے لاکھوں انسانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، ان میں درجنوں اہل علم و عمل اور فضل و کمال سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مختلف وقتوں میں، مختلف حوالوں سے ان اہل فکر و دانش سے فیض بھی حاصل کیا۔ تاہم میری تعلیم و تربیت اور فکر و نظر پر ایک ہی سائے، ایک ہی رنگ اور ایک ہی خوشبو کے آثار نظر آتے ہیں جو سارے کے سارے مرشدی و مولائی سید ابوذر بخاری کی دین اور عطا ہیں۔ نظریے اور سوچ کے حوالے سے مجھ میں اگر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ اس سخی لے جوتوں کا صدقہ ہے جسے انکے اباجی کے مرید "حافظ جی" اور ہم نو گرفتاران بخاری "بڑے شاہ جی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ ہمارے جیسے عام آدمی ہرگز نہیں تھے۔ ان کا ظاہر انکے باطن سے اور انکا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ روشن تھا۔ بلاشبہ وہ اہل پاکستان کے لئے خالقِ کائنات کی عظیم نعمت تھے۔ ہم اس نعمت کو پہچان نہ سکے، اس کی قدر نہ کر سکے۔ وہ اپنی چند بشری کمزوریوں کے باوجود ایک باکمال ہستی تھے۔ عصرِ حاضر میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی چلتی پھرتی تصویر! بقول اقبال....... گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان!

زندگی کے کسی مبارک لمحے میں ان کے دل پر ایک الہامی شعر اترا، جسے انہوں نے اس طرح لفظوں کا روپ دیا

جو قصدِ منزلِ حق ہے تو پھر کتابِ مُبیں کو

ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ

بیسویں صدی کے گمراہ شاعروں اور بے عمل واعظوں کی طرح ان کا یہ پیغام محض لوگوں کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ آپ نے اولاً ان حروف کو اپنے خون جگر میں شامل کیا، بعد میں دوسروں کو اس کی تلقین کی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کی امانت جانا اور امانت الٰہی میں سر مو خیانت نہ ہونے دی۔ اپنے جلیل القدر باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کا نور پہلے اپنے سینے میں بھرا اور پھر مرتے دم تک اس روشنی سے تاریک سینوں کو منور کرتے رہے۔

خالق کائنات نے ہمارے شاہ جی کو زندگی تو ایک ہی عطا کی تھی لیکن نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک وقت میں کئی محاذوں پر سرگرم عمل رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار اور راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ قرآنِ مجید فرقان حمید کی آیات بیّنات سے ہی راہ نمائی حاصل کی۔ انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو بڑی سہولت اور آسانی سے دین و دنیا میں دین کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ یا پھر یوں کہیے کہ خالق نے اپنے اس شکر گزار بندے کو اپنے محبوب کی روشن راہوں پر چلتے چلتے زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ وہ چاہتے تو "دو نمبر" مولویوں، پیشہ ور مبلغوں، کاروباری عالموں، بے عمل پیروں اور جاہ پرست ملاؤں کی طرح بڑی ذہانت اور چالاکی سے دنیا کو دوست بنا سکتے تھے۔ لیکن دینی غیرت کے اس پیکر عظیم کی فطرت میں دنیاداری اور جاہ پرستی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ فطری اور پیدائشی طور پر راہ دنیا کے نہیں راہ راستی کے مسافر تھے۔

شخصی اعتبار سے وہ حسن و جمال، شرافت و نجابت، جرأت و ہمت، دلیری و بہادری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، تسلیم و رضا، جودوسخا، علم و عمل، فکر و دانش، تقویٰ و پرہیزگاری، زہد و عبادت اور ذکر و فکر میں اپنی مثال آپ تھے۔

اصل عظمت و عزیمت کی بات تو یہ ہے کہ ان شخصی اور ذاتی خوبیوں کی بنا پر انہوں نے اپنی شخصیت کے مجسمے کو کسی خانقاہ میں نصب کرا کے لوگوں سے اپنی پوجا نہیں کرائی بلکہ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے معبود حقیقی کی اطاعت، فرماں برداری اور پرستش کے لئے دعوت و تبلیغ کی سنت کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا۔

قرآنی تعلیمات اور محبوب خدا کی سیرت سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لئے وہ کسی دارالعلوم کے مہتمم یا ناظم بھی نہیں بنے بلکہ انہوں نے اللہ کی ساری زمین کو دارالعلوم جانا اور جہاں، جس وقت، جس جگہ

موقع ملا، اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

علمائے سُوء اور دینی مدارس پر قابض مولویانہ شکل وصورت رکھنے والے بندگانِ حرص وہوس نے اپنی اپنی مساجد اور مدرسوں کے دروازے ان پر بند رکھے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جنھوں نے سچی بات کہنا ہوتی ہے، جنھوں نے کلمۂ حق بلند کرنا ہوتا ہے، جنھوں نے نورِالٰہی تقسیم کرنا ہوتا ہے، وہ دن تاریخ اور مقام ایسے لوازمات کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ اٹھتے، بیٹھتے، کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے سنتِ رسول کی خود بھی پیروی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس حسن عمل کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

میرے مرشد.... ممتاز عالم دین، خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ، قدیم و جدید علوم کے بحر بے کنار بھی تھے۔ خدا نخواستہ وہ راندۂ درگاہ مذہبی پیشوائیت کا نمونہ نہیں تھے۔ بلکہ وہ اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مجاہدانہ طرزِ عمل کی قابلِ فخر اور زندہ جاوید مثال تھے۔ وہ عوام الناس کی بہتری اور بہبود کے لئے ایک شاندار اسلامی فلاحی ریاست کا قابلِ عمل نقشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے اور اس حوالے سے وہ "بندوں پر، بندوں کے ذریعہ سے، بندوں کی حکومت" کو قطعاً درست خیال نہیں کرتے تھے۔ وہ اسلامی تعلیمات سے ناواقف سیاسی راہ نماؤں اور اسلام کے اقتصادی اور سماجی نظاموں سے ناآشنا مذہبی سیاست کاروں کے ان خیالات سے قطعاً متفق نہ تھے کہ پاکستان کے لئے سوشلزم یا جمہوریت مناسب نظام ہیں۔ وہ صدارتی پارلیمانی یا جمہوری طرزِ حکومت کی بجائے اسلام کے شورائی نظام کے احیا اور نفاذ میں ہی مسلم دنیا کی عافیت خیال کرتے تھے۔ وہ اپنے والد گرامی اور انکے رفقاء کار کے اسی نعرۂ مستانہ کو بلند کرتے کرتے جان کی بازی ہار گئے کہ اللہ کی دھرتی پر اللہ کا قانون ہی انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں سیاسی، سماجی اور مذہبی حوالوں سے اتحاد، یگانگت، یکجہتی اور وحدت ملی کے راگ الاپ کر، مفاد پرستی کے جنرل سٹور چلانے والے کاروباری لیڈر تو آپ کو بے شمار مل جائیں گے، لیکن نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے اتحاد کے داعی، جن کے قول و عمل میں تضاد نہ ہو، خال خال ملیں گے۔ ہمارے شاہ جی جہاں اسلام کے بنیادی اعتقادات پر سمجھوتہ کرنے یا نام نہاد رواداری برتنے کے قائل نہیں تھے وہیں وہ باکردار، غیور اور خوف خدا رکھنے والے مسلمانوں میں اتحاد کے زبردست حامی بلکہ داعی اور مناد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ جی کی تعلیمات سے فیض حاصل کرنے والے متوسلین و منتسبین اپنے تعارف کے لیے کسی جگہ یا شخص کے نام سے رواج پانے والے مذاہب یا مسالک کی بجائے محض مسلمان کہلوانے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی زندگیوں سے روشنی حاصل کرنے اور انہیں معیارِ حق تسلیم کرنے کا درسِ ملی شاہ جی کی تبلیغی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے۔

کم علمی، جہالت، جھوٹی عقیدت اور گم کردہ راہ ارادت نے تاریخ، مذہب اور اہلبیت کے نام پر امت میں جو ذہنی اور علمی انتشار پھیلایا، سید ابوذر بخاری نے اس خوفناک اور زہرناک بیماری کا علاج تلاش کیا اور اسے پورے ایمانی جذبے اور دینی عزم کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔ میرے مرشد نے جہاں توحید و رسالت کا پرچم بلند رکھا وہیں اصحاب رسول کی محبت اور ازواج مطہرات کی حرمت کی اصل حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرایا۔

کذب و افترا پر مبنی مذہبی اعتقادات، اور تاریخ کے نام پر رائج جھوٹ کی کوکھ سے جنم لینے والی بیمار روایات کا تریاق دریافت کیا۔ جرأت حیدری کے ساتھ، ڈنکے کی چوٹ ساری زندگی سچے اور حقیقی اسلام کی تبلیغ کی۔

پاکستان بننے کے بعد سیاست کے میدان میں لقندروں اور منچلوں کی غالب اکثریت پریکٹس کرنے لگی۔ آزادی کی سچی علمبردار جماعت مجلس احرار اسلام کے کارکنوں کے لئے سیاست دشوار بنا دی گئی۔ احرار کا نام لینا گناہ سمجھا جانے لگا۔ کارکن پریشان تھے۔ حضرت امیر شریعت اور انکے چند دوستوں کے علاوہ اکثر لیڈر احرار کے نام سے کنی کترانے لگے۔ حضرت امیر شریعت کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو حالات بہت دگرگوں ہو گئے۔ بیگانے تو بیگانے تھے، اپنوں نے بھی نظریں بدلنا شروع کر دیں۔ وہ اپنا "چسکا" پورا کرنے کے لئے غیروں کی پناہ گاہوں میں جا چھپے۔ وہ جس ماضی پر فخر کرتے تھے، اس پر شرمندہ دکھائی دینے لگے۔ لیکن وہ جس کی رگوں میں عطاء اللہ شاہ بخاری کا خون ہی نہیں، خون میں اپنے باپ کی دینی غیرت بھی تھی۔ وہ اپنے باپ کی وراثت کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور انکے ایثار پیشہ ساتھیوں کے ساتھ غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سو وفا شعاری کو نشانِ ایثار بنا کر احرار کی عزت و آبرو کا محافظ بن گیا۔ شاہ جی نے اپنے ابا جی کی وفات کے بعد بڑے پر خطر، کٹھن اور مشکل حالات میں مجلس احرار اسلام کا احیا کیا اور از سر نو، جانشین امیر شریعت کی قیادت و سیادت میں قافلہ احرار پھر سے پوری شان اور پورے شکوہ کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ آج احرار کے سرفروش کارکن، مجاہدِ اسلام سید عطاء المحسن بخاری کی قیادت میں توحید و ختم نبوت اور اسوہ صحابہ کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔

سید ابوذر بخاری کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انکے ساتھ نیازمندی اور نسبت پر میں جتنا فخر کروں کم ہے۔ سچی بات ہے میں اگر اس ہستی سے نہ ملا ہوتا تو [redacted]اید آج گمراہی اور لادینیت کی تاریک گلیوں میں بھٹک رہا ہوتا اور مجھے اس کا احساس تک نہ ہوتا۔ میں اگر دو جملوں میں اپنے ممدوح اور محبوب کی زندگی کا نقشہ بیان کروں تو وہ کچھ یوں بنتا ہے کہ....... وہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے دوستوں کے چاہنے والوں کے چاہنے والے، اور اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے دوستوں کے دشمنوں کے دشمن تھے۔

میرے مرشد آج اس دنیا میں نہیں لیکن ان کے علمی و روحانی، فکری و نظریاتی اور اعتقادی کارنامے رہتی دنیا تک انہیں زندہ جاوید رکھیں گے۔ انشاء اللہ!